عطیہ یاسمین

مولانا علی بن احمد المہائمی

مخدوم المہائمی، یشیخ علاؤ الدین ابوالحسن علی بن احمد شافعی نائطی دکنی کوکنی برصغیر کی ان چند معروف شخصیتوں میں سے ہیں جن کی شہرت بلادِ ہند سے نکل کر اطرافِ عالم میں پھیلی۔ ان کا تعلق قومِ نوائط سے ہے جو قبیلہ قریش میں سے ہیں اور حجاج بن یوسف ثقفی کے ڈر سے ۱۵۲ھ میں مدینہ منورہ سے ہجرت کرکے ہندوستان کے بلادِ دکن اور گجرات میں آکر آباد ہوگئے تھے۔

ان کے والدِ بزرگوار کا نام شاہ احمد تھا جو پہلے کوکن میں مقیم تھے، مگر بعد کو مہائم میں تشریف لے گئے تھے۔ وہ عربی النسل تھے اور جعفر طیارؓ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی والدہ کا نام بی بی فاطمہ تھا۔ جو اپنے دور کی ولیہ کاملہ تھیں [۱]

وہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع ایک بندرگاہ میں، جسے "مہائم" کہتے ہیں، ۷۷۶ھ (۱۳۷۴ء) میں پیدا ہوئے [۲] اور وہیں ۸۳۵ھ (۱۴۳۲ء) میں وفات پائی [۳] ان کا مرقد آج بھی وہاں مرجع خاص و عام ہے۔

ان کا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے جس میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی کئی بلند مرتبت شخصیتیں پیدا ہوئیں اور جنھوں نے اپنی قوم کا نام روشن کیا۔ اس قوم میں اگر ایک طرف شیخ المہائمی جیسے صاحبِ قلم، صوفی اور مفسر پیدا ہوئے، تو دوسری طرف والیٔ میسور سلطان حیدر علی اور شیرِ میسور ٹیپو شہید جیسے تلوار کے دھنی اور بیدار مغز حکمرانوں نے بھی جنم لیا [۴] اُن کی قوم کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ

---

[۱] الاعلام ج: ۵، ص: ۶۳ - ابجد العلوم ص: ۳، ص: ۲۱۹

[۲] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۴/۲، ص: ۱۶۲

[۳] ایضاً

[۴] تاریخ النوائط ص: ۲۷۷

قریش کی اولاد میں سے ہیں ۔ افسوس ہے برصغیر کے اس عالی مرتبت فرزند کے ذاتی حالات کے بارے میں کتبِ تذکرہ کوئی زیادہ معلومات بہم نہیں پہنچاتیں ۔

قوم نائط کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں بہت زیادہ سعی کرتی تھی ۔ اس کے لیے حفظِ قرآن، علم حدیث ، فقہ اور دیگر علوم متداولہ کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا [۵۵] اس اہتمام ہی کا نتیجہ تھا کہ زیرِ تذکرہ شخصیت علم و فن کی دُنیا میں کمال درجے کو پہنچی ۔ یہ تو معلوم نہیں کہ مولانا علی المہائمی کس کے شاگرد اور کس کے مرید تھے ، البتہ وہ ایک بلند پایہ عالم و مصنف اور شافعی المذہب تھے جس کا اعتراف غلام علی آزاد سبحۃ المرجان میں یوں کرتے ہیں ۔

" کان من نحاریر الزمان و اصحاب الذوق و العرفان ، مثبتاً للتوحید الوجودی ، مقتفیا بالشیخ محی الدین ابن العربی " [۵۶]

یعنی اُن کا اپنے زمانے کے متبحر علما اور اصحاب ذوق عارفین میں شمار ہوتا تھا اور وہ ابن العربی کی وحدت الوجود کے مؤید تھے ۔

ان کے عقیدۂ وحدت الوجود کے موید ہونے کی تائید ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے بھی کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

" المہائمی ابن العربی کے عقیدت مندوں میں سے تھے اور اُنھوں نے نظریۂ وحدت الوجود کی تائید میں کئی ایک رسائل لکھے ، اور دلائل سے اس کی صحت کو ثابت کیا ہے " [۵۷]

عبدالحئی لکھنوی نے غالباً اسی بنا پر اُنھیں ابن العربی ثانی کا لقب دیا ہے [۵۸]

عقیدۂ وحدت الوجود کے بانی ابن العربی اس عقیدے کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔

" اس سے مراد وجود کل کی وحدتِ مطلق ہے "

---

۵۵ مقالہ : احمد علی قصوری ص : ۱۵

۵۶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج $\frac{۲}{۱۴}$ ، ص: ۱۶۲

۵۷ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند ج: ۲ ، ص: ۱۷۷

۵۸ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج : $\frac{۲}{۱۴}$ ، ص: ۱۶۲

اس عقیدے کو کسی عرب شاعر نے اشعار میں بیان کیا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے :۔

اے کہ تو نے تمام اشیا کو اپنی ذات میں خلق کیا، تو جمع کرتا ہے ہر اس چیز کو جسے تو پیدا کرتا ہے، جس کا وجود تیری ذات میں (مل کر) کبھی فنا نہیں ہوتا اور اسی طرح تو ہی تنگ ہے اور تو ہی وسیع [۹]

علی مہائمی علم و فضل کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ شخصیت تھے۔ اس کا اندازہ ایک تو ان کی تفسیر، تصوف، فقہ، نحو، علم الکلام، علوم عقلیہ و نقلیہ اور عقائد پر مشتمل مختلف تصنیفات سے لگایا جا سکتا ہے دوسرے اصحاب علم کے تبصروں اور مخدوم کی خدمات کے ضمن میں انھیں خراج تحسین پیش کرنے والوں کی تحریروں سے ہوتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کسی بھی تذکرہ نویس نے اب تک ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی جسے مہائمی کے کام پر گرفت قرار دیا جا سکے بلکہ سب ان کی تعریف کرتے ہیں [۱۰] بلا شبہ علی مہائمی علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ تصوف و طریقت میں بھی ان کا مرتبہ بلند تھا۔

مولانا عبدالحی ان کی حقیقت پسندی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ کے سوا حقائق نگاری میں مولانا مہائمی کی کوئی نظیر نہیں۔"

وہ بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہہ اور بڑے مرتبے کے صوفی گزرے ہیں۔ آپ کی انہی صلاحیتوں کا اعتراف استاذ محمد قاسم الازہری "تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان بعض مایشیر الی اعجاز القرآن" کی تقریظ میں انتہائی خوبصورت انداز سے کرتے ہیں [۱۱]

بحیثیت مفسر قرآن :

مولانا علی المہائمی ہمہ پہلو شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے اگرچہ حقائق و معارف کے موتی اپنی سو سے زیادہ تصانیف میں بکھیرے ہیں، مگر ان میں سے جو اہمیت اُن کی تفسیر کو حاصل ہوئی وہ کسی اور تصنیف کو حاصل نہ ہو سکی۔ ان کی اس تفسیر کا نام "تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان بعض مایشیر الی اعجاز

---

[۹] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج: ۱۲/۲ ، ص: ۱۶۲

[۱۰] مقالہ: احمد علی قصوری ص: ۲۲

[۱۱] تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان ۔ ۔ ۔ ۔ ج: ۲ ، ص: ۴۲۰

القرآن" ہے ۔ یہ دو ضخیم جلدوں میں بولاق مصر سے ایک علم دوست شخصیت جمال الدین وزیر بھوپال کے اہتمام سے چھپ چکی ہے ۔

یہ تفسیر اعجاز قرآن کے بارے میں ہے ۔ اس میں اُنھوں نے اعجاز قرآن سے متعلق ان حقائق کو بیان فرمایا ہے، جو اس سے پہلے تفاسیر میں بیان نہ کیے گئے تھے ۔ علی مہائمی کی نظر چونکہ فقہ و تصوف اور علوم عقلیہ و نقلیہ پر بڑی گہری تھی، اس لیے ان کی تفسیر ایک صاحبِ فنون کا شاہکار بھی ہے اور اعجاز قرآن کے ضمن میں عربی ادب کا ایک بیش بہا قیمتی اثاثہ بھی ہے ۔ قرآن مجید کی تفسیر و تشریح جس نقطۂ نظر اور جہت سے بھی ہو، لائق تحسین اور موجبِ سعادت ہے ۔ نزول قرآن کے بعد مختلف ادوار میں آج تک قرآن کی بیسیوں زبانوں میں تفاسیر لکھی گئیں اور ہر مکتب و مسلک کے لوگوں نے یہ خدمت انجام دی ۔ علمی سطح پر قرآن مجید نے جس قدر اپنا فیض عام کیا اور کسی کتاب نے علم کو اتنی جہتیں اور وسعتیں نہیں بخشیں ۔ کچھ لوگوں نے قرآن کریم کی لغوی باریکیوں اور نحوی ترکیبوں کو اپنا موضوع بنایا اور بعض نے قرآن کی ادبیت اور فصاحت پر زورِ قلم صرف کیا ۔ علما کی ایک کثیر تعداد نے قرآن مجید کے فقہی احکام پر کام کیا ۔ کچھ لوگوں نے اس کی اعجاز بیانی، حقیقت کی مرقع کشی اور لفظی و معنوی تاثیر و تاثر کو اپنی تحقیق کا میدان بنایا ۔ بعض نے اس کے ربطِ آیات پر روشنی ڈالی ۔ الغرض ہر جہت اور ہر انداز سے تفسیر قرآن پر کام ہوا ۔ ایک ایک سورت کی مکمل تفسیریں تیار ہوئیں اور ایک ایک آیت کے مطالب بیان کیے گئے ۔ صرف بسم اللہ کی تفسیر کئی صفحات میں مرتب ہوئی ۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں :

> " اُنھیں قرآن کریم اور اس کے علوم پر بڑا عبور حاصل تھا ۔ اس کی تائید ان کی تفسیر سے ہوتی ہے جو تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان فی تفسیر القرآن کے نام سے مشہور ہے [۱۲]

ڈاکٹر صاحب موصوف اس کے فوائد کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں :

> " علی المہائمی کی یہ تفسیر ہندی علمائے اسلام کی بہترین عربی تصانیف میں سے ہے ۔ فیضی کی سواطع الالہام کو چھوڑ کر برصغیر کے مسلم مفسرین کی کتب تفسیر میں سے تین کو بہت ممتاز حیثیت حاصل ہے اور اہلِ علم ان کی افادیت اور ثقاہت کے

---

[۱۲] تاریخ ادبیات ۔ ۔ ۔ ۔ ج ۲، ص: ۱۷۸

معترف ہیں۔ ان میں سے ایک قاضی ثنا اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ کی "تفسیر المظہری" ، دوسری نواب صدیق حسن خان علیہ الرحمۃ کی فتح البیان اور تیسری تفسیر شیخ علی بن احمد المہائمی کی "تیصیر الرحمٰن وتیسیر المنان" ہے۔ ان تینوں کتب تفسیر میں سے موخر الذکر اگرچہ حجم میں کم ہے، (یہ دو جلد اور سابق الذکر دونوں تفسیریں دس دس جلدوں پر مشتمل ہیں) لیکن فوائد کے لحاظ سے کسی طرح کم نہیں"۔[۱۳]

ڈاکٹر زبید احمد رقم طراز ہیں:

"اس تفسیر کا تعلق اس قسم سے ہے جو "الشرح الممزوج کہلاتی" ہے۔ یہ جلالین کی مانند ہے۔ مگر اس سے بہت زیادہ جامع اور وسیع مضامین پر حاوی ہے۔ اس میں تمام قرآنی قصص اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور قرآنی آیات کا شان نزول بھی واضح کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ ایک آیت سے پہلے اور اس کے بعد جو آیتیں ہیں، ان میں باہمی ربط کی تشریح کی گئی ہے"۔[۱۴]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی رائے ہے کہ:

"تفسیر رحمانی بہ صنعت ایجاز وتدقیق موصوف است وتفسیر را بہ قرآن امتزاج دادہ است"۔

مولانا موصوف خود اپنی تفسیر کے متعلق اپنے جن خیالات و دعاوی کا اظہار اس کے مقدمے میں کرتے ہیں اور جن سے ان کے مقصدِ تفسیر کی وضاحت ہوتی ہے، حسبِ ذیل ہیں:

حمد وصلوٰۃ کے بعد المخدوم المہائمی لکھتے ہیں:

۱۔ یہ خیرات حسان ہے۔ نظم قرآن کے اکثر عمدہ نقاط میں بعض ایسے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیے۔

۲۔ نظم قرآن کے نکات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کلمات قرآنی کا اعجاز ظاہر ہو، جنھیں

---

[۱۳] تاریخ ادبیات۔۔۔ ج: ۲، ص ۱۷۸

[۱۴] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ۔ ڈاکٹر زبید احمد ص: ۴۵

ظاہر بین محض ایک معمہ سمجھتے ہیں ۔ نیز ربط کلمات اور ترتیب آیات کے سلسلے میں پوشیدہ باتوں کو ظاہر کیا جائے ۔

۳ ۔ ہر آیت ، ہر کلمہ اپنی جگہ اہم اور پُر معنی ہے ۔ تحقیق و جستجو کے بعد ان میں سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے لطیف نقطے نکلتے اور اسرار و رموز ظاہر ہوتے ہیں (لہذا مولانا نے انھیں اپنی تفسیر میں خاص طور پر اجاگر کیا)۔

۴ ۔ تالیف کا مقصد اسلام اور قرآن کے دشمنوں کا مقابلہ اور ان کے شبہات کا ازالہ ہے ۔

۵ ۔ قرآن کلام اللہ یعنی غیر مخلوق ہے اور وحی متلو ہے ۔

۶ ۔ یہ اپنے کل اور جزو کے لحاظ سے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ۔

۷ ۔ معانیٔ قرآن سمجھنے کے لیے علم الاشتقاق ، علم حقیقت و مجاز ، احادیث ، قواعد عقلیہ اور فوائد کشفیہ کی اہمیت مسلمہ ہے ۔

علی مہائمی کی تفسیر کی بے شمار خصوصیات ہیں، جن میں سے چند خصوصیات کا بیان ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اس طرح کرتے ہیں :

۱ ۔ جس طرح نواب صدیق حسن خان نے اپنی تفسیر میں اپنے عہد تک کے جدید و قدیم مفسرین سے استفادہ کیا ، اسی طرح المہائمی نے بھی اپنی تفسیر میں متاخرین و متقدمین علمائے تفسیر کی آرا و اقوال سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا ہے ۔ لیکن نواب صاحب کے برعکس المہائمی ان اقوال کی تنقیح و تصویب پر بھی خصوصی توجہ صرف کرتے ہیں ۔ وہ امام رازی اور زمخشری کے مکتب فکر کے علمائے تفسیر کی آرا کو جوں کا توں قبول کر لینے کے لیے تیار نہیں ۔

۲ ۔ قرآن کریم کی سورتوں کے اسما کے بارے میں علما کے متعدد اقوال کتبِ تفسیر میں ملتے ہیں جس سے ان سورتوں کے نام متعین کرنے میں مدد ملتی ہے ۔ اکثر سُوَرِ قرآنی ایک سے زائد ناموں کی حامل ہیں ۔ مثلاً سورۃ فاتحہ کے بیس سے زائد نام بتائے جاتے ہیں ۔ لیکن عموماً مفسرین چند ایک نام کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں ، مگر المہائمی اس بات میں منفرد نظر آتے ہیں کہ وہ کتبِ تفسیر کو کھنگال کر حتی الامکان سورتوں کے تمام نام ذکر کر دیتے ہیں ۔

۳- اسی طرح آیاتِ قرآنی کا باہمی ربط بھی ایک کامل فن کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن المہائمیؒ نے اس میدان میں قابلِ قدر کام کرکے اہلِ علم سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ کے شروع میں مومن، کافر اور منافق کے اوصاف اور خصائص بیان کرنے کے بعد تمام انسانوں کو رب وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا گیا، چنانچہ ان آیات کا ربط بیان کرتے ہوئے المہائمیؒ جو الفاظ لکھتے ہیں، ان کا ترجمہ یہ ہے۔

"پھر اللہ تعالیٰ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مومن و کافر اور منافق کا قصہ ایک تمثیل ہے جو نہ تو علمی افادے کے لیے کافی ہے اور نہ اسلام لاکر اور احکامِ ربانی مان کر اللہ کی عبادت کے وجوب کے خلاف دلیل قاطع بن سکتی ہے۔ اسی لیے تو اس تمثیل کے بعد تمام انسانیت کو عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو۔۔۔۔۔۔"

پھر عبادت و توحید کے بیان کے بعد قرآن کی صداقت و اعجاز کا ذکر آتا ہے۔ اس کا ماسبق سے ربط بیان کرتے ہوئے المہائمیؒ لکھتے ہیں:

"ولما كانت العبادة مقتضى ذات الرب والعبد ومقتضى انعامه عليه لم يكن بد منها في الحكمة ولما كانت امتثال الامر وهو اما بالكتاب والسنة او بالاجماع او بالقياس واصل الكل الكتاب لم يكن منه بد ولما لم يتم شأن هذا الا بنفي الريب نفى عنه باعجازه فقال: وان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا الآية۔

"چونکہ عبادت ذاتِ باری تعالیٰ کا بھی مقتضی و مقصود ہے اور بندے کا بھی مقتضی و مقصود ہے، نیز یہی عبادت ہی بندے پر انعاماتِ ربانی کا باعث ہے، اس لیے حکمت کا تقاضا تھا کہ اس عبادت کا تذکرہ ضرور ہو۔ پھر عبادت چونکہ امتثالِ امر (حکم ماننے) کا دوسرا نام ہے اور امتثالِ امر کتاب و سنت، یا اجماع اور یا قیاس کے طفیل ممکن ہے اور ان سب کی اصل چونکہ کتاب اللہ ہے اس لیے اس کے بغیر بھی چارہ نہ تھا، اور چونکہ کتاب اللہ کی شان و عظمت صرف اس سے شک اور شبہے کی نفی سے ثابت ہوتی تھی، اس لیے کتاب اللہ کا اعجاز بیان کرکے اس شک اور ریب کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

" اور اگر تمھیں اس میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ" ۲۵؎

ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں :

" اس تصنیف میں دو خصوصیات ایسی ہیں جو مصنف نے بڑی قابلیت کے ساتھ از اول تا آخر برقرار رکھی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ہر سورۃ کے آغاز میں مختصراً یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سورۃ کا یہ نام کیوں رکھا گیا ، اور دوسرے یہ کہ ہر سورۃ سے قبل بسم اللہ کی تشریح اس سورۃ کے مضمون کے مطابق کی گئی ہے ۔"

بسم اللہ المتجلی باسمائہ وصفاتہ وافعالہ فی الناس ۔

شروع اس اللہ کے نام سے جو اپنے نام وصفات اور افعال کے ذریعے لوگوں میں ظہور پذیر ہے ۔

الرحمٰن بتکمیلہ بعد اضافۃ نور الوجود علیہ ۔

ایسا رحم والا ہے جو اپنے وجود کا نور ڈال کر اسے مکمل کر دیتا ہے ۔

الرحیم بحفظہ من شر ما فیہ و شر ما خرج عنہ ۔

ایسا مہربان ہے جو اس کے داخلی اور خارجی شر سے اسے محفوظ رکھتا ہے ۔

آخری سورۃ سے قبل کی سورۃ میں بسم اللہ کی تشریح اس طرح کی گئی :

بسم اللہ المتجلی بکمالاتہ فی النور الخالق

شروع اللہ کے نام سے جو نور خلق میں اپنے کمالات کے ساتھ جلوہ گر ہے ۔

الرحمٰن باشاعۃ ذلک النور ۔

ایسا رحم والا جو اس نور کو پھیلا دیتا ہے ۔

الرحیم باعاذتہ من عاذبہ من الشرور

ایسا مہربان ہے جو شر سے پناہ مانگنے والوں کو پناہ دیتا ہے ۔

بسم اللہ کی تشریح میں لفظ اللہ کے بعد المتجلی بکمالاتہ ضرور لکھا گیا ہے اور اس کے بعد جو عبارت لکھی گئی ہے وہ متعلقہ سورۃ کے مضمون کے مطابق ہے ۔ الرحمٰن اور الرحیم دونوں کے بعد ایک فقرہ آتا ہے

۲۵؎ تاریخ ادبیات ۔ ۔ ۔ ۔ ج ۲ ، ص : ۱۷۱ ۔ ۱۷۹

باوصف ان کی تفسیر عام آدمی کے لیے زیادہ مفید نہیں ہے۔ کیونکہ ایک عام مسلمان اسرارِ تصوف، اعجازِ قرآن، اصطلاحات اور دقیق نکاتِ تفسیر کو نہیں سمجھ پاتا۔ اس پر مستزاد ادق عربی الفاظ و تراکیب ہیں۔

اس کے علاوہ مہائمی کی اہم اور قابل ذکر تصانیف یہ ہیں: "الرسالۃ فی بیان وجوہ اعراب قولہ تعالیٰ الم ذلک الکتاب لاریب فیہ ہدی للمتقین" اس رسالے کا ابتدائی اقتباس غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان میں دیا ہے۔ علما نے اس آیت کی بہت سی وجوہ اعراب بیان کی ہیں، مگر علی مہائمی نے ان کا شمار بارہ کروڑ تراسی لاکھ چوالیس ہزار پانچ سو چوبیس (۱۲۸، ۳۴۴، ۵۲۴) تک پہنچا دیا ہے اور وہ اس طرح کہ ہر لفظ کی کئی کئی وجوہِ اعراب بیان کی ہیں اور پھر سب کو باہم ضرب دینے سے یہ عدد حاصل ہو جاتا ہے۔

فقہ مخدومی:

یہ ایک مختصر سی کتاب ہے جو فقہ شافعی کے مطابق صرف عبادات سے متعلق ہے۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے اور اس پر مولوی عبدالحق مصنف تفسیر حقانی کی اردو میں تقریظ ہے۔ اس کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔

الزوارف فی شرح العوارف، مشرح الخصوص الی معانی النّصوص للقونوی، اجلۃ التائید فی شرح ادلۃ التوحید، النور الازہر وکشفُ القضاء والقدر، الضوء الاظہر فی شرح النور الازہر، خصوص النعم فی شرح فصوص الحکم، انعام الملک العلام باحکام حکم الاحکام، جو اسرارِ فقہ اور محاسنِ شریعت سے متعلق ہے، اداء الدقائق فی شرح مرآۃ الحقائق، (جام جہاں نما کا ترجمہ ہے) استجلاء البصر فی الرّد علی استقصاء النظر للحلّی، تعریب لمعات عراقی، وغیرہ۔

جو حرف جار اور اس کے مجرور پر مشتمل ہوتا ہے ۔ راقم الحروف کے علم میں کوئی اور ایسی تفسیر نہیں ہے جس میں بسم اللہ کی تشریح کا یہ انوکھا طریقہ اختیار کیا گیا ہو ۔[۱۶]

اس تفسیر کی دیگر خصوصیات جو نمایاں طور پر نظر آتی ہیں حسب ذیل ہیں :

چونکہ مصنف علم طب سے آگاہ معلوم ہوتے ہیں لہذا مصطلحات طبیہ کا استعمال کرتے ہیں ۔ مرصّع و مقفّع عبارت لاتے ہیں ۔ بعض اوقات الفاظ کی بھرمار ذوقِ سلیم پر گراں گزرتی ہے ۔ بوقتِ ضرورت تفسیر میں کہیں کہیں لغوی اور نحوی مباحث بھی بیان کرتے ہیں ۔ اس صوفی مفسر کی تفسیر میں تصوف اور علمِ کلام کی جھلکیاں نظر آتی ہیں ۔

ایک منفرد خوبی :

ایک خصوصیت جس پر کسی تبصرہ نگار نے توجہ نہیں دی وہ حروف مقطعات کی لفظی و معنوی توجیہات پیش کرنے میں المہائمی کا ایک منفرد انداز ہے ۔ اگرچہ یہ ساری کاوش مبنی بر تکلف ہے ، تاہم اس امر کی شہادت ضرور دیتی ہے کہ برصغیر کا یہ عجمی فاضل عربی زبان و بیان پر پوری دسترس رکھتا ہے ۔ مثلاً الٓمٓر پانچ سورتوں کے ابتدا میں ہے ۔ ان میں سے ہر مقام پر دوسرے مقام سے مختلف توجیہی الفاظ بایں انداز استعمال کیے ہیں کہ ان میں سے اسی سورۃ کے مضامین میں سمو دینے کی کوشش کی ہے ۔ حروف مقطعات کے سلسلے میں جو بات کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ سلف صالحین جب ان حروف کی کوئی توجیہہ پیش کرتے ہیں تو اختتام پر اللہ و رسولہ اعلم جیسے کلمات لاکر بے بسی کا اظہار کرتے ہیں ، لیکن ان سب کے برعکس مہائمی اپنے آپ پر حد سے زیادہ اعتماد رکھتے ہیں اور اپنے تشریحی کلمات میں حتمی انداز اختیار کرتے ہیں ۔ ان کے اس احساس برتری کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ حبیب اللہ نے علی المہائمی سے ان کی تفسیر کے متعلق سوال کیا تو جواباً کہا کہ "میں نے اپنی تفسیر کا تقابل لوحِ محفوظ سے کیا ہے ۔" ظاہر ہے اسے بے جا تعلّی ہی کہا جا سکتا ہے ۔

المختصر مولانا علی المہائمی بیک وقت صوفی بھی ہیں اور فقیہہ بھی ۔ فلسفی بھی ہیں اور مفسر بھی ۔ نحوی بھی ہیں اور لغوی بھی ۔ اُن کی یہ صفات اُن کی تفسیر میں بھی نمایاں نظر آتی ہیں ۔ ان سب خوبیوں کے

---

[۱۶] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصّہ ص : ۴۵ - ۴۶